- ❖ حرام پیسوں سے حاصل شدہ منافع
- ❖ حرام پیسوں سے حج آدا کرنا
- ❖ غیر مسلم ممالک میں سودی لین دین
- ❖ سود میں دارالحرب اور دارالکفر کا فرق
- ❖ دارالاسلام میں غیر مسلم کے ساتھ سودی لین دین
- ❖ بہنوں کو میراث نہ دینے والے بھائی کی مہمان نوازی وغیرہ قبول کرنا
- ❖ بہنوں کو میراث نہ دینے والے کا مسجد کی تعمیر میں چندہ دینا
- ❖ موروثی جائیداد سے ایک بھائی کا کاروبار میں نقصان کرنا
- ❖ موروثی جائیداد سے ایک بھائی کا سرمایہ کاری کرنا
- ❖ دکان مشترکہ میراث سے ہو' جب کہ مال تجارت اپنا ہو
- ❖ پیداواری اور طویل المیعاد قرضوں کا زکوۃ اور قربانی پر اثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیافرماتے ہیں مفتیان کرام مسائل ذیل کے بارے میں :

1 . ...ہمارے علاقے کے لوگ غیر مسلم ممالک میں وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کرتے تھے ،سود پر قرضے دیتے اور لیتے تھے ،کچھ یہاں پاکستان میں غیر مسلموں سے سودی قرضے لیتے اور دیتے تھے ،اب ان کی اولاد نے انہی رقم سے بڑے کاروبار بنائے ہیں ،جو اگرچہ سودی کاروبار نہیں ہے ،البتہ بنیادی رقم وہی گذشتہ سود کی ہے ،اب پوچھنا یہ ہے :

- کیاان کا یہ کاروبار حلال ہے ؟
- ان لوگوں کی زکوۃ اور فریضہ حج کا کیا حکم ہے ؟
- ان کے لیے یہ رقم مساجد اور مدارس میں استعمال کرنا کیسا ہے ؟
- کیااسی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے مہتمم کے لیے ضروری ہے ،کہ ان سے یہ پوچھے : کہ یہ رقم کہاں سے حاصل کی ہے ؟

2 . ...یہاں پشت در پشت لوگ موروثی جائیداد سے منافع حاصل کرتے ہیں ، بھائی بہنوں کو یکسر مسترد کر کے خاندانی میراث خود تقسیم کر کے مزید سرمایہ حاصل کرتے ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے :

- کیاان لوگوں کی مہمان نوازی اور تحفہ وغیرہ قبول کرنا درست ہے ؟
- ان لوگوں کے مساجد کی تعمیر ،مدارس کے چندہ میں یہ رقم خرچ کرنا ،حج اور زکوۃ کا کیا حکم ہے ؟
- اگر کوئی بھائی یہ جائیداد بطریقہ میراث تقسیم کرنا چاہے ،تو مناسخہ میں کس پشت کو مدنظر رکھ کر تقسیم کریں ،کیونکہ یہ جائیداد کئی نسلوں سے اس کے پاس آئی ہے ؟

3 . ...زکوۃ اور قربانی میں پیداواری قرضے اور یا وہ قرضے جو ضرورت کے بغیر تجارت کو فروغ دینے کے لیے طویل المیعاد لیے جاتے ہیں ،ان کے متعلق شرعی نکتہ نظر کیا ہے ؟ کیا یہ اصل سرمایہ سے منہا ہوں گے ، یا نہیں ؟

الجواب حامداو مصليا

شریعت ہر حلال کاروبار کی حوصلہ افزائی کرتی ہے'مادی دنیامیں اسباب کے تحت ہی انسان زندگی گزار سکتاہےاور اسے کسی نہ کسی کاروبار سے منسلک ہونا پڑتاہے 'لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان ہوس اورخواہشات پوری کرنے کے لیے حلال اور حرام کی تمیز نہ کرے 'یہاں رہنے کے لیے آخرت کو سامنے رکھ کرزندگی گزارنے کی ہدایت دی جاتی ہے 'آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق : مجھے دنیا سے کیا لینا دینا ہے 'میری اوردنیا کی مثال اس راہی کی ہے 'جو ستانے کی خاطر سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا اور چلتا بنا۔ شاعر نے خوب کہاہے :

آب زیر کشتی پشت کشتی است

آب اندر کشتی ہلاک کشتی است

پانی کشتی کے نیچے ہو'توکشتی کو سہارا ملتاہے 'لیکن اندر داخل ہونے سے کشتی غرق ہوتی ہے۔

اسلام ایک طرف سچے اورامانت دار تاجر کو انبیا علیہم السلام 'شہدااور نیک لوگوں کے ساتھ بروز حشر اٹھنے کی نوید سناتاہے 'نیک 'سچااورپرہیزگار تاجر کی حوصلہ افزائی کرتاہے 'تودوسری طرف ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والے کا بھرپور مذمت بھی کرتاہے۔حرام کاروبار کسی بھی شکل میں ہو 'چاہے جواہو 'قمار ہو 'سٹہ بازاری ہو اوریا سود۔۔۔۔۔سود قرآن 'سنت 'اجماع امت اور قیاس یعنی عقل اور نقل ہر لحاظ سے قطعی حرام ہے 'دینے والا 'لینے والا 'لکھنے والااور گواہ بننے والاسب اس گناہ کبیرہ میں شریک ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ سے اعلان جنگ ہے 'آقادوعالم ﷺ کے فرمان کے مطابق : لوگوں پر ایسازمانہ ضرورآئے گا کہ وہ سود کھائیں گے اوراگر سود نہ بھی کھائیں 'تودھواں پہنچ جائے گا۔

زیر نظر مقالہ سودی لین دین اور حرام کاروبار کے متعلق ہے 'ذیل میں سود کی قسمیں لکھی جاتی ہیں :

سود کی دو قسمیں ہیں :

نسیئہ : شرط کے ساتھ قرض پر کچھ اضافہ کیا جائے۔

الفضل : ایک ہی جنس والی چیزوں میں ناپ تول کی کمی اور بیشی کی شرط لگانا۔

اول الذکر کی حرمت قرآن کریم سے ‘جب دوسری کی حرمت حدیث پاک سے ثابت ہے۔

یادرہے : سود کی حرمت دارالاسلام ‘دارالکفراور دارالحرب میں یکساں ہے۔

دارالحرب کی تعریف :

- کفراور شرک کے احکام نافذ ہوں۔
- دارالاسلام دارالحرب سے مل جائے۔
- اس میں کوئی مسلمان یا ذمی باقی نہ رہے۔

اور دارالحرب اسلامی احکام نافذ کرنے سے دارالاسلام بن جاتا ہے۔ جیسے : نماز عیداور نماز جمعہ وغیرہ۔

”لاتصیردارالاسلام دارالحرب الا بأمور ثلاثة:باجراا حکام الشرک ،و باتصالها بدارالحرب،و بأن لایبقی فیها مسلم اوذمی بالامان الاول علی نفسه،ودارالحرب تصیردارالاسلام باجرا احکام اهل الاسلام فیها۔ کجمعة وعید۔“

(الدر مع ردالمحتار : ج ۴‘ص ۱۷۵‘ط : کراچی)

”لواجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرک ،لاتکون دارحرب۔“

(مذکورہ بالاماخذ)

امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک :

”لایجوز للمسلم فی دارالحرب الامایجوزله فی دارالاسلام۔“

(بدائع الصنائع : ج۷،ص ۱۳۲)

”ان حرمة الربا ثابتة فی حق العاقدین امافی حق المسلم فظاہر،وامافی حق الحربی فلأن الکفار مخاطبون بالحرمات ۔وقال تعالیٰ جل شانه:واخذہم الربا وقدنهوا عنه۔“

سود کی حرمت دونوں فریقین کے حق میں ثابت ہے،مسلمان کے حق میں تو واضح ہے،اور کفار کو بھی سود کی حرمت سے مخاطب کیے گئے ہیں۔

اللہ رب العزۃ کافرمان : کہ ان (یہودیوں) کے سود لینے کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی،حالانکہ ان کو سود سے منع کیا گیا تھا۔

(لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب،او کماقال ﷺ)

<u>مذکورہ حدیث پر سرسری نظر:</u>

- یہ روایت مجہول ہے،کسی صحیح سند،یا قابل اعتماد کتاب میں اسے روایت نہیں کیا گیا ہے۔
- اور یہ احتمال بھی ہے : کہ لاربا کا مطلب : (یعنی سودی لین دین مت کرو) جیسے :

(فمن فرض فیهن الحج فلارفث ولافسوق ولاجدال فی الحج)

جو حج کے دنوں میں حج کی نیت کرے،وہ جماع اور ہم بستری کی باتیں نہ کریں۔۔۔

- قرآن میں سود کی حرمت مطلقاہے،اس پر کسی بھی خبر واحد سے زیادتی کی قید درست نہیں ہے۔

نوٹ : حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے میں توقف کرتا ہے ‘اور وہ یہاں مسلمان کا کسی مسلم اور یا غیر مسلم کے ساتھ سودی لین دین کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے فتاوی رشیدیہ)

لہذا مسلمان خواہ دارالحرب میں ہو‘ یادارالاسلام میں ‘اوروہ سودی معاملہ مسلم سے کرے‘ یا غیر مسلم سے ‘اس کی طرف سود کا حکم متوجہ رہے گا۔اوران تمام صورتوں میں ان کی آمدنی حرام ٹھرے گی۔

(جامعہ علوم اسلامیہ ‘بنوری ٹاون ‘فتوی نمبر : 144301200157)

لہذا :

- مکمل سرمایہ ‘اکثر سرمایہ اور یا آدھا سرمایہ سودی رقم پر مشتمل ہونے سے ‘توسارا سرمایہ حرام ہو گا۔

مال حرام سے حاصل ہونے والا منافع اور جائیداد کی بڑھوتڑی :

- پہلے بائع کو یہی حرام رقم دیا‘بعد میں چیز خریدی۔
- پہلے چیز خریدی ‘بعد میں بائع کو حرام رقم دی۔
- پہلے چیز خریدی ‘بعد میں حرام رقم کے علاوہ کوئی اور رقم دی۔
- صراحت کیے بغیر مطلّقا خرید وفروخت کیا اور یہ حرام رقم دی۔
- پہلے کسی اور رقم سے چیز خریدی اور یہ حرام رقم دی۔

علامہ کرخیؒ کے نزدیک آخری تینوں صورتوں میں حاصل ہونے والا منافع حلال ہے ‘فقہانے اسی پر فتوی دیا ہے۔

”رجل اکتسب مالامن حرام ثم اشتری ،فهذا علی خمسة اوجه:اما ان دفع تلک الدراهم الی البائع اولا،ثم اشتری منه بها،او اشتری قبل الدفع بهاودفعها،او اشتری قبل الدفع ودفع غیرها،او اشتری مطلقا ودفع تلک

الدراهم،او اشتری بدارهم اخرودفع تلک الدراهم۔قال ابو نصر:یطیب له ولایجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول ،والیه ذهب ابو اللیثؒ ،لکن هذا خلاف ظاہرالروایة ;فانه نص فی الجامع الصغیر:اذا غصب الفا فاشتری بها جاریة وباعها بالفین تصدق بالربح ۔وقال الکرخیؒ :فی الوجه الاول والثانی لایطیب ،وفی الثلاث الاخیرة یطیب ،وقال ابوبکرؒ :لایطیب فی الکل ۔لکن الفتوی الآن علی قول الکرخیؒ دفعا للحرج۔"

(ردالمحتار:مطلب:اذااکتسب حراما ثم اشتری علی خمسة اوجه)

خریدار عموماً صراحت کیے بغیر چیز خریدتا ہے'تو اس پر حاصل ہونے والا منافع درست ہوگا'البتہ حرام مال دینے سے گناہ گار ضرور ہوگا' بائع چونکہ حلال چیز دیتا ہے'اس کے لیے رقم لینا درست ہوگا'تاہم اگر وہ جانتا ہو'کہ مشتری کا اکثر مال حرام ہے اور یا مشتری نے حرام ہونے کی صراحت کی ہو'تو پھر رقم لینا درست نہیں ہے۔

تفصیل کے لیے : (فتاوی قاسمیہ : ج۱۹)

کاروبار کی ابتدا میں جتنا حرام مال لگا ہے'اس کے بقدر رقم بغیر نیت ثواب کے صدقہ کردیں'تو باقی مال پاک ہوجائے گا۔

(دارالافتا اخلاص کراچی'عنوان : حرام کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی سے حلال کاروبار کرنا'فتوی نمبر : ۱۵۱۱)

(دارالافتا عثمانیہ'پشاور'فتوی نمبر : ۴۷۱۸'عنوان : حرام مال سے کمائے ہوئے منافع کا حکم)

(دارالافتا جامعہ بنوریہ'عنوان : حرام مال سے کاروبار کا حکم)

یاد رہے : علامہ کرخی رحمہ اللہ کے قول پر بوقت ضرورت ہے ' ورنہ اصول کے مطابق نہ حرام مال حلال ہے اور نہ ہی اس کا منافع حلال ہے۔

- حرام مال میں زکوۃ نہیں ہے ' بلکہ اس کو بغیر کسی ثواب کی نیت کے صدقہ کرنا واجب ہے۔ جبکہ فریضہ حج آدا ہوگا ' تاہم ثواب سے محروم ہوگا۔

لمافی الشامیة:

"ولذا قال فی البحر: ویجتہد فی تحصیل نفقة حلال ؛فانه لایقبل بالنفقة الحرام کماوردت فی الحدیث مع انه یسقط الفرض عنه معها، ولاتنافی بین سقوطه وعدم سقوطه ،فلایثاب ؛لعدم القبول ،ولایعاقب عقاب تارک الحج۔"

(ج ۳ ' ص ۵۱۹ ' مطلب : فیمن حج بمال حرام ' ط : رشیدیہ)

(کذافی الحقانیہ : ج ٦ ' ص ۳۳۰ ' کتاب الشرکۃ ' ط : حقانیہ)

- ان کے لیے یہ رقم مساجد اور مدارس میں استعمال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔
- جہاں سودی لین دین ہو ' وہاں مہتمم کے لیے چندہ لینے کے دوران چھان بین ضروری ہے ' البتہ صرف توہم اور شک کی بنیاد پر تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے۔

<u>صورت مسئولہ کا جزدوم :</u>

واضح رہے :

باپ کے انتقال کے بعد بہن اور بھائیوں کے درمیان عموما شرکت ملک ہوتی ہے، اس شرکت میں ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجازت کے بغیر اجنبی ہوتا ہے۔ تاہم ایک شریک کی رضامندی اور اجازت سے دوسرے شریک کا تصرف کرنا درست ہے۔

اور شرکت ملک کا قانون:

’’وکل منهماأجنبی فی نصیب الآخرحتی لایجوز التصرف فيه الاباذن الآخر، کغیرالشریک;لعدم تضمنهما الوكالة۔۔۔۔۔۔‘‘

(مجمع الأنهر، كتاب الشركة:543/2ط:دارالكتب العلمية،بيروت)

(ماخوذازدارالعلوم دیوبند:شرکت اوربٹوارہ کابیان:52/13)

"وكل مااستدانه أحدهم،يطالب به وحده۔"

(الشامية:ج٦،ص ٢٧٢)

"وماشتراه أحدهم لنفسه ،يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترک‘‘

(مذکوره بالاماخذ:ج ٦،ص ٢٧٢)

"اذابذر بعض الورثة الحبوب المشتركةباذن الكبار أو وصی الصغارفی الارض المورثة ،تصیرجملة الحاصلات مشتركة بينهم،وأما لوبذر أحدهم بغيراذن بقية الورثة،فالغلةللزارع فقط۔۔۔۔ولكن لوبذر أحدهم لنفسه،فالحاصلات له خاصة،لكنه يضمن لبقيةالورثة حصتهم ممانقصت الأرض بزراعتة۔"

(المجله:ماده ١٠٨٩)

میراث میں چونکہ بہن اور بھائی سب شریک ہیں ٗقرآن کریم میں بھائی کے ساتھ بہن کی میراث کا بھی ذکر ہے ٗجہاں تک اصول میں سے جس کے بارے میں یقینی طور معلوم ہو ٗکہ اس نے بہنوں کو حصہ نہیں

دیاہے اور کل ترکہ ،ورثا بھی یقینی طور معلوم ہوں ،تو وہاں سے اصول مناسخہ کے مطابق تمام زندہ ورثہ کے حصص متعین کرناضروری ہے۔

یبدامن ترکة المیت الخالیة عن تعلق الغیربعینها

(الدرالمختار، کتاب الفرائض ، ج۱۰، ص۴۹۳، ط:دارالکتب)

"والحاصل :انه ان علم ارباب الاموال ،وجب رده علیهم والا فان علم عین الحرام لایحل له ویتصدق به بنیة صاحبه۔"

(ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: فیمن ورث مالا حراما)

تفصیل کے لیے :

(دارالافتا ،جامعہ عثمانیہ ،پشاور ،فتوی نمبر : ۴۱۶۲-۲۹۷-۳۲۳)

کسی بھی وارث کواجازت لیے بغیر دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے ،اب مثلا : اگر بھائی مشترکہ موروثی جائیداد میں کاروبار کرکے ترقی کرتے ہیں ،تو اس کی چند صورتیں ہیں :

- بہن اور بھائی سب تجارت پر راضی ہوں ،تو اس صورت میں منافع سب کے درمیان برابر شریک ہوگا ،البتہ محنت کرنے والے دوسروں کی باہمی رضامندی سے اپنے لیے اضافی اجرت اور یا منافع کے فیصد میں اضافہ کرسکتے ہیں۔
- اور اگر سب کی طرف سے اجازت نہ ملی ہوں ،تو کام کرنے والے بھائی اگر سب بہن اور بھائیوں کی نیت کرکے تجارت کرتے ہوں ،تب بھی منافع میں سب شریک ہوں گے۔

- اور اگر بھائیوں نے موروثی جائیداد میں تصرف بہنوں کی اجازت کے بغیر کیاہو اور دوران تجارت بہنوں کی نیت بھی نہ کی ہوں' تو منافع ان کے حصہ کے بقدر ان کے لیے درست ہو گا۔اور بقایا کا ملک خبیث ہونے کی وجہ سے بغیر نیت ثواب کے صدقہ کرنا واجب ہو گا۔
- تاہم اگر اصل ورثہ کو منافع حوالہ کریں' تو درست رہے گا۔
- اگر اپنا مال منافع سمیت اور دیگر ورثہ کے مجموعی سرمایہ اور منافع سے کم ہو اور یا برابر ہو' تو ورثہ کو ہر حال میں اپنا حق دینا لازمی ہے اور ملک خبیث کی وجہ سے اس کا سارا سرمایہ حرام پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کا ملک خبیث میں تصرف اپنے حصہ تک درست ہو گا' دیگر ورثہ کے حصہ میں کسی طرح درست نہیں ہے۔
- اگر مخلوط مال حلال اور حرام (سود' غصب اور رشوت وغیرہ) پر مشتمل ہو' اور اس میں تمیز ہو سکے' تو حرام مال اصل مالکوں کو لوٹانا لازمی ہے۔
- اگر مالکان معلوم نہ ہوں' تو ثواب کی نیت کیے بغیر صدقہ کرنا ضروری ہے۔
- اور مخلوط مال جدا نہ ہو سکے' تو اس کا صدقہ وغیرہ اپنے حصہ کی حد تک درست ہے' (البتہ اجتناب بہتر ہے۔) تاہم جن لوگوں کو علم ہو' کہ اس کی آمدن حلال اور حرام مال دونوں پر مشتمل ہے' حرام مال زیادہ یا برابر ہو' تو ان کے لیے ہدیہ قبول کرنا اور یا ضیافت قبول کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔
- اور اگر غالب مال حلال ہو' یا لینے والے کو اس کی حرام آمدنی کا علم نہ ہو اور یا وہ صراحت کرے' کی یہ ہدیہ وغیرہ حلال مال سے ہے۔ تب اس کے لیے وصول کرنا درست ہے۔
- اور اگر کار خیر میں یہی ملک خبیث خرچ کرے' لیکن بعد میں ورثہ کو اپنا حق دیدے' تو سارا صدقہ درست ہو گا۔اور اس کی ملک صدقہ دینے کے دوران سمجھی جائے گی' گویا کہ اس نے اپنی ہی ملک سے صدقہ اور یا حج وغیرہ آدا کیا۔
- اور اگر اجازت لیے بغیر نقصان ہوا' تو یہ خسارہ انہی کے حصہ میں شمار ہو گا۔

○ نوٹ : حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے فقہ البیوع میں لکھاہے :

کہ مخلوط مال والے کی ضیافت یاہدیہ قبول کرنے میں جو تفصیل ہے ،کہ مال حرام غالب ہو ، یابرابر تو ہدیہ وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔یہ اس وقت ہے ،جب مخلوط مال ممیّز ہو ،البتہ یہ معلوم نہ ہو ،کہ کونسا حلال ہے اور کتنا حلال ہے۔اوراگر مخلوط مال ممیّز ہی نہ ہو ،تو پھر مالک کے اپنے حصہ سے ضیافت یاہدیہ وغیرہ قبول کرنا درست ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

تفصیل کے لیے : (فقہ البیوع : ج۲ ،ص ۱۰۳۲)

والحجة على ماقلناه:

"لانه اماغاصب اومستودع ،وكل منهما استربح فيمافى يده لنفسه ،يكون ربحه له ،لا للمالک،لكن يملكه ملكا خبيثا سبيله التصدق على الفقراء۔"

(شرح المجلة للاتاسی ، ج ۴ ،ص ۳ ،مادہ : ۱۰۹۰ ،ط : رشیدیہ)

"اذا اخذ احدالورثة مبلغا من الدراہم من التركة قبل القسمة بدون اذالآخرين ،وعمل فيه وخسر،فتكون الخسارة عائدة اليه ،كمالوربح فلايسوغ لبقية الورثة طلب حصة منه۔"

(المجلة ،ص ۲۱۰ ،مادہ ۱۰۹ ،ط : قدیمی)

"والحاصل :انه يجب على الغاصب ان يتصدق بهذا الربح۔والغلة على مذہب ابى حنيفة ومحمدرحمهما الله تعالىٰ ۔وهو المختار۔ويجوز له ايضا ان يسلم الربح او الغلة الى المغصوب منه كمامرعن الزيلعى ،ومثله فى

الفتاوی الهندية:عن المحيط ان له الخيار بين ان يتصدق اويرد الاجرة الی المغصوب منه ۔''

(فقہ البیوع، ج۲،ص ۱۰۴۴، المبحث العاشر، ط: معارف القرآن)

قال فی فقه البيوع:

''ومذہب الحنفیه ان الغاصب بعدآداالضمان یملک المغصوب ملکا مستندا الی وقت الغصب۔''

(ج۲،ص ۱۰۴۲، المبحث العاشر، ط: معارف القرآن)

''لان المغصوب ان علمت اصحابه ،او ورثتهم ،وجب رده عليهم والا وجب التصدق به۔۔۔''

(مطلب: فیمالوصدر السلطان جائرافنوی بذلک آدالزکاۃ: ج۲،ص۲۹۱،ط: دارالفکر)

''وان کان مالامختلطا مجتمعا من الحرام ،ولایعلم اربابه ولاشیئا منه بعینه ،حل له حکما،والاحسن دیانة التنزه عنه۔۔۔''

(الشامية،کتاب البیوع،باب البیع الفاسدمطلب:فیمن ورث مالاحراما)

ففی البزازية:

''ماياخذ من المال ظلما،ويخلطه بماله وبمال مظلوم آخریصیرملکا له،وينقطع حق الاول ،فلایکون اخذه عندنا حراما محضا۔''

(قبیل الزکوۃ)

(کذا فی الشامية: کتاب الزکوۃ،ج۳،ص ۲۱۷،ط:زکریا)

(کذافی فتاوی عثمانیہ ٬کتاب الشرکۃ : ج ۷ ٬ص ۳۸ ٬ ۳۷)

(دارالافتا٬ جامعہ علوم اسلامیہ ٬بنوری ٹاؤن ٬فتوی نمبر : ۱۴۴۰۱۲۲۰۱۷۶۴)

(دارالافتاوالاخلاص ٬کراچی)

حرام آمدنی سے خریدا ہوا مکان کو وقف کرنا جائز ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ٬وقف کا بیان : ج ۱۳٬ص ۱۴۰)

تقسیم ترکہ سے قبل مسجد یا مدرسہ کو چندہ دینااور یا صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا وارث کی ذاتی تصرفات کی حد تک درست ہیں ٬اور اس کے لیے ہر ایسا تصرف کرنا درست نہیں ہے ٬جس سے دیگر ورثا کو نقصان پہنچے۔ اور نہ ہی اس کو ایسے تصرفات پر اجر ملے گا۔

<u>یادرہے :</u>

اگر ایک بھائی نے مشترکہ موروثی جائیداد سے اجازت لیے بغیر دوکان بنائی ٬اس میں ذاتی سرمایہ سے سامان تجارت رکھا٬اس سے حاصل ہونے والا منافع اس کے لیے حلال ہے ٬کیونکہ مشترکہ سرمایہ کی خباثت دکان کی حد تک تو درست ہے ٬البتہ مال تجارت سے حاصل ہونے والا نفع مشترکہ مال سے حاصل شدہ نہیں ہے۔

’’غصب حانوتا واتجر فیہ وربح یطیب الربح ، کذافی الوجیز للکردریؒ ۔‘‘

(الفتاوی الهندیة، کتاب الغصب،الباب الثامن: ج۵،ص ۱۴۲)

لہٰذا:

- یہ لوگ چونکہ غاصب ہیں ٬جن کا سرمایہ حرام اور حلال مال دونوں سے مخلوط ہے ٬اب اگر اصل سرمایہ اور منافع سمیت ملاکر غصب شدہ مال سے کم ٬ یا برابر ہے ٬تو مال حرام کے غالب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی مہمان نوازی اور تحفہ وغیرہ قبول کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔

- ان لوگوں کے مساجد کی تعمیر، مدارس کے چندہ میں یہ رقم خرچ کرنا، حج اور زکوۃ آدا کرنا اپنے سرمایہ کی حد تک درست ہے، دوسرے کے حصہ میں وہ غاصب شمار ہوگا، جس کا ہر حال میں حوالہ کرنا ضروری ہے۔
- اگر کوئی بھائی یہ جائیداد بطریقہ میراث تقسیم کرنا چاہے، تو مناسخہ میں جس اصل کے بارے میں یقینی طور معلوم ہو، کہ اس نے بہنوں کو میراث نہیں دیا ہے اور کل ترکہ بھی یقینی طور معلوم ہو، تو وہاں سے مناسخہ کا حکم ہوگا۔

پیداواری اور تجارتی قرضے :

ویسے تو شرعی اصول کے مطابق اصل سرمایہ سے قرضے نکال کر بقایا سرمایہ پر زکوۃ اور قربانی کا حکم لگتا ہے، لیکن کاروبار کی وسیع تر اقسام اور طویل قرضوں اور لمبے قسطوں کے پیش نظر متاخرین نے فتوی میں ترمیم کی ہے :

کہ ضرورت کی خاطر لینے والے قرضے اصل سرمایہ سے منہا ہوں گے، جب کہ غیر ضروری پیداواری اور طویل المیعاد قرضے، یا طویل قسطوں میں ایک سال کی مدت کا اعتبار ہوگا، فقہا نے اس کو مہر مؤجل کے درجہ میں رکھ کر غیر مانع قرار دیا ہے۔

لہٰذا ایک سال کی بقدر قرض، یا قسطیں منہا کرنے کے بعد نصاب کے پورا ہونے پر زکوۃ اور قربانی واجب ہوگی۔

''وزاد القہستانی عن الجواہر:والصحیح انہ غیرمانع۔''

(ردالمحتار : ج ۳، ص ۱۷۷، ط : الریاض)

''وقال بعض مشائخنا :ان المؤجل لایمنع؛لانہ غیرمطالب بہ عادۃ۔''

(بدائع الصنائع : ج ۲، ص ۳۸۴، ط : بیروت)

''وذكر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر ،قال مشائخنا:فی رجل علیہ مہر مؤجل لامراتہ ،وھو لایرید آدئہ ،لایجعل مانعا من الزکاۃ ؛لعدم المطالبۃ فی العادۃ،وانہ حسن ایضا۔''

(الفتاوی الھندیۃ: ج۱،ص۱۹۰،ط: بیروت)

نوٹ: معاصر علما کرام نے اسی پر فتوی دیا ہے۔البتہ فتاوی قاسمیہ میں فتوی عام اصول کے مطابق دیا گیا ہے،کہ ہر قرض منہا کیا جائے گا چاہے اس کا فوری مطالبہ کیا جاتا ہو اور یا لمبے قسطوں میں کیا جاتا ہو۔

تفصیل کے لیے: (فتاوی قاسمیہ: ج۱۰،ص۳۷۸)

جب کہ بعض فقہا پیداواری اور تجارتی فروغ کے لیے حاصل ہونے والے قرضوں میں یوں تفصیل کرتے ہیں:

اگر ان قرضوں سے اموال تجارت (قابل زکوۃ اموال) خریدے گئے،تو اصل سرمایہ سے منہا ہوں گے اور اگر اس سے اوزار،مشینریاں وغیرہ خریدی گئیں،تو یہ قرضے اصل سرمایہ سے نہیں نکالے جائیں گے۔

(ماہانہ الابرار،اگست ۲۰۱۰)

فتاوی عثمانی میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

کہ پیداواری قرضوں پر شوافع کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے،کہ کسی بھی قسم کا قرض منہا نہ ہو گا۔

(قرضوں کا مسئلہ: ج۲،ص۸۳)

تینوں رائے کو سامنے رکھ کر راقم الحروف کی نظر میں تیسری رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

السید کلیم اللہ۔